مکمل نقل کریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

جب سے انگریزی اور علومِ جدیدہ کا رواج ہوا ہے، صرف ہمارے ملک میں نہیں پورے عالمِ اسلام میں مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ جدید اور قدیم تعلیم یافتہ کے دو حصّوں میں تقسیم ہوگیا ہے۔ اگرچہ یہ تقسیم بالکل غیر منطقی ہے اور تعلیم میں جدید و قدیم کا کوئی فرق نہ ہونا چاہئیے لیکن بدقسمتی سے واقعہ یہی ہے کہ یہ دو طبقے وجود میں آ گئے اور دونوں ایک دوسرے کے حریف اور رقیب اس درجہ کے ہوگئے کہ ایک دوسرے کے نام سے بیزار ہوگیا۔ وقت اور حالات کے بدلنے سے اگرچہ ان دونوں طبقوں میں اب پہلی سی منافرت نہیں رہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو خود اسلامی علوم و فنون کی طرف توجہ ہوئی۔ چنانچہ خوشی کی بات ہے کہ آج اس طبقہ میں علومِ اسلامیہ و دینیہ کے ایسے محقق اور مبصر موجود ہیں کہ علماء کے طبقہ میں بھی اُن جیسے کم ہی ہوں گے اور دوسری جانب مدارسِ عربیہ کے بعض فارغ التحصیل حضرات نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور اس میں کمال پیدا کیا۔ با ایں ہمہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان دونوں میں طبقاتی کشمکش ابھی تک ختم نہیں ہوئی ہے اور مسلم سوسائٹی کی اصلاح و ترقی کے لئے ان میں جس باہمی اشتراک و تعاون اور ہم آہنگی و وحدتِ فکر کی شدید ضرورت ہے وہ پیدا نہیں ہو سکی ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب سے پاکستان نامی ایک عظیم اسلامی ریاست وجود میں آئی اور دوسرے اسلامی ممالک خود مختار و آزاد ہوئے ہیں اور انھوں نے دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کو سامنے رکھ کر اپنی جدید تہذیبی تنظیم و ترقی کی طرف قدم اٹھایا ہے، مذکورہ بالا دونوں طبقوں کا اختلاف نہایت خطرناک اور سخت تشویش انگیز صورت اختیار کر گیا ہے۔ چونکہ ان اسلامی یا بالفاظِ صحیح تر مسلم حکومتوں پر جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہی کا اثر ہے، وہی حکومت کی مشنری پر قابض ہیں اور مجالس قانون ساز میں انہیں کا عمل دخل ہے اور علماء بحیثیت جماعت کے ان سب چیزوں سے بے دخل اور الگ تھلگ ہیں اس لئے اب صورتِ حال یہ ہے کہ ان ملکوں میں سماجی اصلاح و ترقی کے نام سے جو قوانین و ضوابط بن رہے ہیں اُن میں نہ وہ اسپرٹ ہے اور نہ وہ اعتدال و توازن ہے جو قرآن و حدیث پر

مبنی احکام میں ہونا ضروری ہے گویا تجدد اور تجدید کا ایک سیلابِ عظیم ہے جو اس وقت تمام ممالکِ اسلامیہ میں بڑی قوت اور شد و مد کے ساتھ اُمنڈ رہا ہے اور اس سلسلہ میں جو کچھ ہو رہا ہے دین اور شریعت کے نام سے ہی ہو رہا ہے جب یہ اصلاحات یا جدید قوانین و ضوابط ملک میں شائع ہوتے ہیں تو علماء کی طرف سے اُن کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوتی ہے لیکن چونکہ حکومت میں اُن کا کوئی اثر نہیں ہے اس لئے یہ صدا کچھ دنوں کے بعد فضا میں گونج کر خاموش ہو جاتی ہے اور وہ قوانین مسلمانوں پر مسلّط اور ملک میں نافذ ہو جاتے ہیں، پاکستان تو اس معاملہ میں "کے آمدی و کے پیر شدی" کا مصداق ہے۔ ٹرکی، مصر، سوڈان اور عراق و شام میں اب سے بہت پہلے یہ سب کچھ ہو چکا ہے اور عورتوں کی آزادی، اُن کی تعلیم، ملازمتوں اور دوسرے پیشوں میں مردوں کے برابر اُن کا حصہ، تعددِ ازدواج، نکاح و طلاق، وراثت اور کفالت و وکالت سے متعلق وہاں جو قوانین وضع کئے گئے ہیں، انھوں نے ان ملکوں کے اسلامی معاشرہ کا نقشہ یکسر منقلب کر کے رکھ دیا ہے۔ اور اب وہاں اس درجہ امن و سکون ہے کہ گویا تمام مسلمانوں نے ان اصلاحات و قوانین کو خوشی سے قبول کر لیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور آخری دینِ الٰہی ہے اس لئے احکامِ شریعت میں بڑی لچک ہے اس میں احوالِ زمانہ کے مقتضیات، قومی اور ملی ضرورتوں کی رعایت اور سماجی مفاسد کی روک تھام کے لئے شخصی اور جماعتی قوانین میں ردّ و بدل کرنے کی گنجائش ہے اور خود فقہ کے مختلف مسالک میں جو فرق و امتیاز پایا جاتا ہے اور اصولِ فقہ میں مصالحِ مرسلہ اور عرف وغیرہ جیسے بیسیوں اصول جو مذکور ہیں، وہ سب اسی کی دلیل ہیں لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے جس طرح ہر دستور کے کچھ بنیادی اغراض و مقاصد ہوتے ہیں اور حسبِ ضرورت دستور کی دفعات میں وقتاً فوقتاً جو ترمیم و تنسیخ بھی کی جائے بہرحال اُن اغراض و مقاصد اور اُن کی روح سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا، ٹھیک اسی طرح قانون سازی اور اصلاح و ترمیم کے ہر مرحلہ پر اس کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ شریعت کے اصل حکم کی اسپرٹ کیا ہے؟ شارع کا مقصد و منشا کیا ہے؟ اور اس ترمیم و تنسیخ سے اس پر زد تو نہیں پڑتی۔

ظاہر ہے یہ کام صرف کوئی ایک طبقہ انجام نہیں دے سکتا، یہ اُسی وقت سرانجام پا سکتا ہے جب کہ